اپنی زندگی مین اپنے ہاتھ سے اوٹھائے ہون گے مگر اوس ایک روپے کے پانے کی خوشی کبھی نہ بھولون گی۔ اسکے پہلے مجھے پیسے تو بہت ملے تھے۔ مگر روپیہ کبھی نہ ملا تھا۔ وہ روپیہ بہت دن تک مین نے مجگور رکھا۔ اِسلیئے کہ اوسکے صرف کی کوئی ضرورت مجھے نہ تھی۔ اور اگر تھی بھی تو یہ خیال تھا کہ اگر اسے صرف کرتی ہون تو لوگ پوچھین گے کہان سے ملا۔ تو کیا بتاؤنگی۔ رازداری کی سمجھ مجھے بھی آ گئی تھی۔ اور یہ سمجھ بغیر سن تمیز کو پہونچے نہین آتی۔ بیشک مین سن تمیز کو پہونچ چکی تھی۔

---

## ایک شاطر چور دل میرا چُرا کر لے گیا؂
## پاسبان کمبخت سب سوتے کے سوتے رہگئے

برسات کے دن ہین آسمان پر گھٹا چھائی ہوئی ہے۔ پانی تل دھار اوپر دھار برس رہا ہے۔ بجلی چمک رہی ہے۔ بادل گرج رہا ہے۔ مین بوا حسینی کی کوٹھری مین اکیلی پڑی ہون۔ بوا حسینی خانم صاحب کے ساتھ حیدری کے گھر گئی ہوئی ہین۔ چراغ گل ہو گیا ہے۔ اندھیری وہ کہ ہاتھ کو ہاتھ نہین سوجھتا۔

اور کمرون مین جشن ہو رہے ہین کہین سے گانے کی آواز آ رہی ہے۔ کہین قہقہے اوڑ رہے ہین۔ ایک مین ہون کہ اِس اندھیری کوٹھری مین اپنی تنہائی پر رو رہی ہون۔ کوئی آس پاس نہین ہے۔ دل پر جو گذر رہی ہے دل ہی جانتا ہے۔ جب بجلی چمکتی ہے مارے ڈر کے دُولائی سے مُنہ ڈھانپ لیتی ہون۔ جب گرج کی آواز آتی ہے کانون مین اونگلیان دے لیتی ہون۔ اِسی عالم مین آنکھ لگ گئی۔ اِتنے مین یہ معلوم ہوا۔ جیسے کسی نے زور سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میری گھگھی بندھ گئی۔ مُنہ سے آواز تک نہ نکلی۔ آخر بیہوش ہو گئی۔ - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - - - -

صبح کو چور کی ڈھونڈھیا ہوئی۔ وہ کہان ملتا ہے۔ خانم مُنہ تھوتھائے بیٹھی ہین۔ بوا حسینی بڑبڑاتی پھرتی ہین۔ مین ٹھگ ماری سی چپکی بیٹھی ہون۔ سب پوچھ پوچھ کے تھک گئے مگر مجھے کچھ معلوم ہو تو بتاؤن۔

رسوا۔ یہ نہین کہتے کہ اگر معلوم بھی ہو تو کیون بتاؤن؟۔

امراؤ۔ خیر اب حاشیے نہ چڑھائیے۔ سنتے جائیے۔

خانم کی اوس دن کی مایوسی اور بوا حسینی کا اوداس چہرہ اب جب مجھے یاد آتا ہے بے اختیار ہنسی آتی ہے۔

رسوا۔ کیون نہ ہنسی آئے۔ اونکی تو ساری امیدین خاک مین مل گئین۔ اور آپ کا مذاق ہو گیا۔

امراؤ۔ امیدین خاک مین مل گئین! خانم کو آپ نہین جانتے۔ ایک ہی گھاگ تھین۔ اس معاملے کو اسطرح دبا دیا جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ اور انتقام کی وہ تدبیرین کین کہ شاید و باید۔ اب کسی آنکھ کے اندھے اور گانٹھ کے پورے کی تلاش ہوئی۔ آخر ایک پہر پہنس ہی گیا۔ اون دنون ملک آئین سے ایک صدر الصدور کے صاحبزادے طالبعلمی کے لیے لکھنؤ مین تشریف لائے ہوئے تھے۔ گھر سے خوش۔ والد مرحوم ان کے رشوت و نذرانے کے روپے سے ایک بہت بڑا علاقہ انکے صرف بیجا کے لئے خرید کر کے چھوڑ گئے تھے۔ چند روز یہان آکر اچھے رہے۔ پھر جو لکھنؤ کی ہوا لگی۔ علم تماشبینی مین طاق اور فن بے غیرتی مین مشاق ہو گئے۔ اسم شریف راشد علی تھا۔ راشد تخلص کرتے۔ لکھنؤ کے کسی اوستاد نے مرشد بنا دیا۔ اس تخلص پر آپ کو بہت ہی فخر تھا۔

وطن سے جو ملازم ہمراہ آئے تھے وہ سب رکھن میان کہتے تھے۔ لکھنؤ والون نے اونکو راجہ کا لقب دیا۔ مگر اس نام اور القاب مین کسی قدر دہقانیت تھی۔ اور آپ لکھنؤ کی وضع طرح پر مرتے تھے۔ اسلیے تھوڑے ہی دنون مین نواب صاحب بن گئے۔ جب گھر سے آئے تھے تو خاصی داڑھی منہ پر تھی۔ لکھنؤ کی ہوا لگتے ہی پہلے کتروان ہوئی۔ پھر خشخاشی۔ اور تھوڑے دنون کے بعد بالکل صفایا ہو گیا۔ داڑھی منڈنے سے چھوٹا سا چہرہ کیسا بدنما نکل آیا۔ مگر آپ اوسے خوبصورتی سمجھتے تھے۔ سیاہ رنگت۔ چیچک کے داغ۔ بھدی سی ناک۔ چھوٹی چھوٹی آنکھین۔ گال پچکے ہوئے۔ تنگ پیشانی۔ کوتاہ گردن۔ ٹھگنا سا قد۔ غرضکہ ہمہ صفت موصوف تھے۔ مگر آپ اپنے کو یوسف ثانی سمجھتے تھے۔ ہر دم آئینہ سامنے رہتا تھا۔ مونچھین اس قدر مروڑی گئین کہ آخر چوہیا کی دم ہو گئین۔ بال بڑھائے گئے۔ گھونگھر بنایا گیا۔ ٹکے دار ٹوپی سر پر رکھی گئی۔ اونچی چولی کا انگرکہ دامن۔ ٹرے پائنچون کا پاجامہ پہنا گیا۔ یہ سب ٹھاٹھ رنڈیون کی دربارداری کے لیے کیا گیا تھا۔

اول تو خود ہی طبیعت بہت رسا تھی۔ دوسرے لائق احباب کی وساطت۔ چند ہی روز کے بعد اونچے اونچے گھروں پر رسائی ہوگئی۔ رسائی کیسی بے تکلفی بڑھ گئی۔ چھٹن جان سے مادر پدر ہوتا ہے۔ بگن تمہیں لگاتی ہیں۔ حسنا نے جوتا کھینچ مارا۔ آپ ہیں کہ ٹھی ٹھی ہنس رہے ہیں۔ یہ سب کچھ تھا مگر نائکاؤں کا بڑا ادب کرتے۔ حسن زندی سے ایک شب کے لیئے بھی واسطہ ہوگیا تھا اوسکی نائکہ کو مجمع عام میں اماں جان کہنا او جھک کے تسلیم کرنا عین سعادتمندی تھی۔ اسمیں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ یاروں پر ظاہر ہو جاتا تھا کہ آپ یہاں مشرف ہو چکے ہیں۔

سر شام سے دو میں گھڑی رات گئے تک خانم صاحب کا دربار کرتے تھے۔ اونکی ہر ایک نوچی کی خدمت میں نیاز تھا۔ علم موسیقی میں بھی آپ کو کمال تھا۔ ٹھمریاں خود تصنیف فرماتے۔ خود ہی دھن بنا کے گاتے تھے۔ خود ہی بھاؤ بتاتے جاتے تھے۔ اور تو جو کچھ تھا وہ تھا منہ سے طبلہ خوب بجاتے تھے۔ یاروں نے خوب ہی بنا لیا تھا۔ آپ کے اشعار پر لوگوں نے اتنی تعریف کی کہ آپ کو فخر ناسخ و آتش بنا دیا۔ شاعروں میں ڈدریا لگئے۔ آپ سے غزل پڑھوائی۔ تمام مشاعرہ چونک گیا۔ ریختی گویوں سے پہلے آپ کا کلام پڑھا جاتا تھا۔ ہنستے ہنستے لوگوں کے پیٹ میں بل پڑ جاتے تھے۔ لوگ بناتے تھے۔ آپ خوش ہوتے تھے۔ جھک جھک کے تسلیمیں کرتے تھے۔

وطن سے بے غل و غش روپیہ چلا آتا تھا۔ انکی والدہ بیچاری اس خیال سے کہ لڑکا پڑھنے گیا ہے۔ مولوی بن کے آئے گا۔ جو یہ لکھ بھیجتے تھے بھیج دیتی تھیں۔ لکھنؤ کے بنکرے۔ خوش پوشاک۔ عیش پسند۔ مفت خورے۔ آپ کے ہمراہ رہتے تھے۔ انھیں لوگوں کے کہنے سننے سے کچھ خیال پیدا ہوا۔ اس خیال نے ترقی کرتے کرتے اشتیاق تک نوبت پہونچائی آخر کو عشق اور اسکے بعد جنون ہوگیا۔ ادھر خانم نے کھنچاؤ کیا۔ خانم کا یہ کہنا "نا صاحب ابھی وہ کم سن ہے"۔ اور انکی التجا۔ منت وزاری۔ بیقراری۔ آج تک مجھے یاد ہے۔ آخر دعا۔ تعویذ کی تاثیر اور غمخواروں کی دوا دوش سے پانچہزار روپے پر توڑ ہوا۔ اس روپے کے لینے کے لیے آپ کو چند روز کے لیئے وطن جانا پڑا۔ ماں سے چھپا کے دو گاؤں آپ نے رہن کر دیئے۔ مبلغ پچیس ہزار روپیہ لے کے لکھنؤ آئے۔ پانچ توڑے رگن دیے۔

روپیہ عین المال دیوان جی کی معرفت خانم کے خزانۂ عامرہ مین داخل ہوا۔ بوا حسینی نے پاؤن پھیلائے۔ پانسو نذر نیاز کے نام سے یہ لے مرین۔ خلاصہ یہ کہ مین آپ کے سر منڈھی گئی۔ چھ مہینے تک آپ اور لکھنؤ مین رہے۔ سو روپیہ ماہوار دیتے تھے۔ فرنیچر کا ذکر نہین۔ جو کچھ خفیہ مجھے دیا وہ بوا حسینی کے پاس رہتا تھا۔ خانم کو اسکی خبر نہ تھی۔ اب مین گویا آزاد ہو گئی۔ دو مہربان۔ دو خدمتگار۔ میرے لیئے خاص ملازم ہوئے۔ پھاٹک کے پاس والا کمرہ میرے رہنے کے لیئے دیا گیا۔ دو چار مرد آدمی شریف زادے نواب زادے میرے پاس بھی آکے بیٹھنے لگے۔

گلچین اول گوہر مرزا مجھسے ہر زمانے مین برابر ملتا رہا۔ خانم اور بوا حسینی اوسکی صورت سے جلتی تھین۔ مجھے محبت تھی اسلیئے کوئی روک نہین سکتا تھا۔ ادھر گوہر مرزا کے والد نے انتقال کیا۔ جو آمدنی دمان سے تھی وہ بند ہو گئی۔ بیچارہ بوڑھا ہو چکی تھین۔ کوئی پوچھتا نہ تھا۔ اسلیئے گوہر مرزا کی صرف کی خبر گیری میرے ہی ذمے تھی۔

سب رنڈیون کا قاعدہ ہے ایک نہ ایک کو اپنا بنا رکھتی ہین۔ ایسے شخص سے بہت فائدے ہوتے ہین۔ ایک تو یہ کہ جب کوئی نہ ہوا۔ اوسی سے دل بہلایا۔ سودے سلف کا آرام رہتا ہے۔ آدمی سے منگاؤ تو کچھ نہ کچھ کھا جائے گا۔ یہ مارے خیر خواہی کے اچھی سی اچھی چیز شہر بھر سے ڈھونڈھ کے لاتے ہین۔ بیمار پڑو تو حد سے زیادہ خدمت کرتے ہین۔ طرح طرح کی آرام دیتے ہین۔ رات بھر پاؤن دباتے ہین۔ صبح کو دوا بنا کے پلاتے ہین۔ حکیم صاحب سے حال کہنے جاتے ہین۔ دوست آشناؤن مین تعریفین کرتے رہتے ہین۔ چرکٹ پھنسا کے لاتے ہین۔ جہان کہین شادی بیاہ ہوا۔ ناچ کا انتظام اپنے ذمے لے کے مجرے مین انھین کو لیجاتے ہین۔ محفل مین بیٹھکر اہل محفل کو متوجہ کرتے ہین۔ وہ ناچ رہی ہے۔ یہ تال دیتے جاتے ہین۔ ہر سم پر آہ کہتے ہین۔ ہر تال پر واہ وا کر رہے ہین۔ وہ بھاؤ بتا رہی ہین یہ شرح کرتے جاتے ہین۔ انھین کی وجہ سے اچھے سے اچھا کھانے کو ملتا ہے۔ خاطر مدارات اور رنڈیون سے زیادہ ہوتی ہے۔ انعام اکرام سوا ملتا ہے۔ اگر کسی امیر۔ رئیس سے ملاقات ہو گئی۔ انھین کی بدولت اوسکو لطف رفاقت حاصل ہوتا ہے۔ اودھر وہ چاہتے ہین کہ رنڈی ہمکو چاہنے لگے۔ ادھر رنڈی جان جان کے انکا کلمہ بھر رہی ہے۔ کبھی یہ فقرہ ہے "صاحب مین اونکی پابند ہون نہین معلوم

آپ سے کیونکر ملتی ہون "۔ آپ اونکے آنے کا وقت ہے مجھے جانے دیجیے۔ وہ تو ہمیشہ کے ہین۔ آپ اِسطرح کیا نباہیے گا۔

تماشبین اِن سے دبتے رہتے ہین۔ اگر کسی سے کچھ تکرار ہوئی یہ حمایت کو مستعد۔ شہر کے بانکے ترچھون سے ملاقات ہے۔ بات کی بات مین پچاس ساٹھ آدمی جمع ہو سکتے ہین۔ تماشبین ایک طرف خود نائکہ پر دباؤ رہتا ہے۔ ہر وقت یہ خوف لگا رہتا ہے رنڈی انکو پیار کرتی ہے۔ کہین ایسا نہو اِنکے ساتھ نکل کے گھر جا بیٹھے۔

امیر جان کاظم علی پر مرتی تھین۔ برسون اپنے پاس سے روپیہ دیا۔ ایک مرتبہ پانسو کے کپڑے اوتار کے دیدیئے اور صبح کو غل مچایا کوئی اوتار کے لے گیا۔ ایک دفعہ جھالے کی ایک فرد گیارہ سو کے جوڑ کی دیدی۔ اور کہدیا کہ عیش باغ کے میلے مین کان سے گر گئی۔ اِسیطرح ہزارون روپے کا سلوک کیا۔ گھر بھر کی روٹیان امیر جان کی بدولت تھین۔

خورشید پیارے صاحب پر جان دیتی تھین۔ بسم اللہ کے کوئی آشنا نہ تھا طبیعت مین سفلہ پن تھا۔ کسی پر بند نہ تھین۔

اورون کا ذکر کیا۔ خانم صاحب پچاس پچپن برس کے سن مین میر اولاد علی پر جان دیتی تھین۔ میر صاحب کا سن اٹھارہ اونیس برس کا تھا۔ صورت دار جوان تھے۔ کسرتی بدن تھا۔ اچھی اچھیون کی نگاہ پڑتی تھی۔ خانم کا رعب غالب تھا۔ کیا مجال کوئی بات کر سکے۔ بیچارے غریب آدمی تھے۔ نانِ شبینہ کو محتاج۔ خانم کی بدولت سارا کنبہ پرورش پاتا تھا۔ ڈیڑھ ہزار روپیہ لگا کے شادی کر دی۔ مگر برات کی رات کے سوا میر صاحب کو کبھی شب کو گھر مین سونا نصیب نہین ہوا۔ دن رات یہین رہتے تھے۔ گھڑی دو گھڑی کو گھر بھی ہو آتے تھے۔

ایک اور مرزا صاحب کوئی سَتّر برس کا سن۔ کمر جھکی ہوئی۔ نہ مُنہ مین دانت۔ نہ پیٹ مین آنت۔ خانم صاحب کے قدیم آشناؤن مین تھے۔ اب اِن سے کوئی واسطہ نتھا۔ مگر گھر والون کی طرح رہتے تھے۔ صبح شام کھانا خانم کے ساتھ کھاتے تھے۔ کپڑا خانم بنا دیتی تھین۔ افیم۔ گنا۔ ریوڑیان اِن سب اخراجات کا بار خانم کے سر تھا۔ ایکدن ہم لوگ خانم صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے ہین۔ خورشید جان غمزدہ صورت بنائے بیٹھی ہین

کیون! پیارے صاحب کی شادی ہوتی ہے - انپر غم سوار ہے - خانم نے براہ نہمایش کہا - "جاؤ چھوکریو نہین معلوم اِس زمانے کی محبتین کِس قسم کی ہین - جیسی رنڈیان ویسے ہی اونکے آشنا - ایک ہمارا زمانہ تھا - دیکھو (مرزا صاحب کی طرف اشارہ کرکے) ایک یہی مرد آدمی بیٹھے ہین - جوانی مین مجھسے آشنائی ہوئی - مان باپون نے شادی ٹھہرائی - آپ مانجھے کا جوڑا پہن کے مجھے دکھانے آئے - مین نے مانجھے کے جوڑے کے پرزے پرزے کردیے - ہاتھ پکڑ کے جھڑ گئی کہ مین تو نہ جانے دونگی - اِسکو چالیس برس کا زمانہ گذرا - آج تک گھر نہین گئے - کہو ہے کوئی ایسا تمھارا بھی! سب نے سر جھکا لیا -

---

یون تو بسم اللہ کی بستی مین مین پہلی پہل ناچی گائی تھی - مگر پہلا مجرا میرا نواب شجاعت علیخان کے لڑکے کی شادی مین ہوا تھا - وہ محفل بھی یادگار تھی - نواب کی بارہ دری کِس شان سے سجی ہوئی تھی - بیش قیمت شیشہ آلات کی روشنی سے رات کو دن ہو گیا تھا - صاف ستھرا فرش - ایرانی قالین - زربفت کے مسند تکیے - سامنے رنگ رنگ کی مردنگون کی قطار روشن -

عطر اور پھولون کی خوشبو سے تمام بارہ دری بسی ہوئی تھی - دھوان دھار حقون کی خوشبو - گلوریون کی مہک سے دماغ معطر تھے - میرا سِن کوئی چودہ برس کا ہوگا - اُس زمانے مین برودے سے ایک بائی جی آئی ہوئی تھین - تمام شہر مین اونکے گانے کی دھوم تھی - بڑے بڑے گویّے کان پکڑتے تھے - معلومات ایسی کہ بوڑھیان گویا نوکِ زبان تھین - گلا وہ کہ چار محلے اودھر آواز جائے - مگر واہ خانم صاحب واقعی کیا رنگ محفل دیکھتی تھین - اون کے بعد مجکو کھڑا کر دیا - مجھے تو کیا تمیز تھی مگر سمجھدار لوگ حیران تھے کہ خانم کر کیا رہی ہین - بھلا بائی جی کے سامنے اِس چھوکری کا کیا رنگ جمے گا - پہلے گت شروع ہوئی - اسمین محفل کچھ میری طرف مخاطب ہوئی - میری بھی اوٹھتی جوانی تھی - صورت اچھی نہ تھی - مگر اوس وقت کی پھُرتی - چالاکی - الھڑپن -

کچھ نہ پوچھو شباب کا عالم ؎ کیا کہون کچھ عجب زمانہ تھا

گت تھوڑی ہی دیر ناچی ہوگی کہ خانم نے یہ غزل شروع کرادی۔

آج اس بزم مین وہ جلوہ نما ہوتا ہے
دیکھیے دیکھیے اک آن مین کیا ہوتا ہے

اس غزل کے شروع کرنے کے ساتھ ہی محفل تہ و بالا ہوگئی۔ اسکے بعد دوسرا مطلع اک ذرا مین نے بتا کے جو گایا۔ اہل محفل جھومنے لگے۔

نالہ رکتا ہے تو سر گرم جفا ہوتا ہے
درد تھمتا ہے تو بیدرد خفا ہوتا ہے

اور اس شعر نے تو قیامت ہی برپا کردی۔

پھر نظر جھپتی ہے آنکھ جھکی جاتی ہے
دیکھیے دیکھیے پھر تیر خطا ہوتا ہے

اس شعر پر یہ حال تھا کہ جس سے نظر ملاکے گایا۔ نظر نہ اوٹھا سکا۔

بت پرستی مین نہوگا کوئی مجھسا بدنام
جھپتا ہون جو کہین ذکر خدا ہوتا ہے

ذرا اس شعر کو سنیے اور قیاس کیجیے۔ عاشق مزاجون پر اسکا کیا اثر ہوا ہوگا۔

عشق مین حسرت دل کا تو نکلنا کیسا
دم نکلنے مین بھی کمبخت مزا ہوتا ہے

پھر اسکے بعد یہ شعر۔

حال دل اُن سے نہ کہنا تھا ہمین چوک گئے
اب کوئی بات بنائین بھی تو کیا ہوتا ہے

تمام محفل وجد کے عالم مین تھی۔ ہر شخص محظوظ تھا۔ ہر لفظ پر واہ وا! ہر سم پر آ! ایک ایک شعر آٹھ آٹھ دس دس مرتبہ گوایا گیا۔ پھر بھی سیری نہین ہوتی تھی۔ اسی غزل پر میرا مجرا موقوف ہوا۔ دوسرے مجرے مین پھر یہی غزل گوائی گئی۔ مرزا رسوا۔ وہ خیر محفل کا جو حال ہوا ہو۔ از برائے خدا اور جس قدر شعر اس غزل کے یاد ہون سنا دیجیے۔ یہ کسکی غزل ہے؟

اُمراؤ۔ ادہی کیا آپ نہین جانتے؟

رسوا۔ مین سمجھا۔

امراؤ۔ اور شعر سنئے۔

تا لبِ گور پھونچ جاتے ہین مرنے والے
وہ بھی او سوقت کہ جب شوق رسا ہوتا ہے

رسوا۔ سبحان اللہ۔

امراؤ۔ واقعی قلم توڑ دیا ہے۔

آہ مین کچھ بھی اثر ہو تو شرر بار کہون
ورنہ شعلہ بھی حقیقت مین ہوا ہوتا ہے

رسوا۔ یہ بھی خوب کہا ہے۔

امراؤ۔ اور یہ شعر۔

کس قدر معتقدِ حسنِ مکافات ہون مین
دل مین خوش ہوتا ہون جب رنج سوا ہوتا ہے

رسوا۔ یہ فلسفہ ہے۔ اسے وہی خوب سمجھتے ہین۔

امراؤ۔ اور سنیئے۔

شوقِ اظہار اگر ہے تو مرے دل کو نہ توڑ
اسی آئینے مین تو جلوہ نما ہوتا ہے

رسوا۔ یہ تصوف ہے۔ ہم دنیا کے لوگ ہین۔ ہمین اِس سے کچھ غرض نہین۔ مگر "شوقِ اظہار" یہ لفظین کیونکر ملجایا کرتی ہین۔

امراؤ۔ مقطع سنیئے۔

ہجر مین نالہ و فریاد سے باز آ ۔۔۔۔۔۔۔
ایسی باتون سے وہ بیدرد خفا ہوتا ہے

رسوا۔ مطلع سے مقطع نکال لیا ہے۔ مقطع کہنے کی فرصت نہ ملی ہوگی۔

امراؤ۔ فرصت اونھین کب ملتی ہے!

پہلے مجرے کے دوسرے دن شام کو بوا حسینی میرے کمرے مین آئین۔ ایک خدمتگار۔ اونکے ساتھ تھا۔

بوا حسینی۔ دیکھو امراؤ صاحب یہ کیا کہتا ہے۔

اتنا کہکے بوا حسینی کمرے کے باہر چلی گئین۔

خدمتگار (سلام کرکے) مجھے نواب سلطان صاحب نے بھیجا ہے جو کل شب کو محفل مین زرد مندیل سر پر رکھے دولھا کے دہنی طرف بیٹھے تھے۔ اور فرمایا ہے کہ مین کسی وقت آپ کے پاس آنا چاہتا ہون۔ بشرطیکہ جس وقت مین آؤن اوسوقت اور کوئی نہ ہو۔ اور اوس غزل کی نقل مانگی ہے جو آپ نے کل گائی تھی۔

مین۔ نواب صاحب سے میری تسلیمات کہنا۔ اور کہنا کہ شام کو جب چاہئے تشریف لائیے۔ تخلیہ ہو جائے گا۔ غزل کے لیے کل دن کو کسی وقت آنا۔ لکھدون گی۔

دوسرے دن پہر دن چڑھے خدمتگار آیا۔ مین کمرے مین اکیلی بیٹھی تھی غزل کی نقل مین نے کر رکھی تھی اوسکے حوالے کی۔ اوسنے پانچ اشرفیان مکرے نکال کے مجھے دین۔ اور کہا کہ نواب صاحب نے کہا ہے کہ آپ کے لائق تو نہین۔ مگر خیر پان کھانے کے لیے میری طرف سے قبول کیجیے۔ آج شب کو چراغ جلے کے بعد مین ضرور آؤن گا۔ خدمتگار سلام کرکے رخصت ہوا۔ اوسکے جانے کے بعد پہلے تو مجھے خیال ہوا کہ بوا حسینی کو بلاکے یہ اشرفیان دیدون۔ وہ خانم کے حوالے کرین۔ پھر ایک دفعہ اشرفیون کی طرف جو دیکھا۔ چمکتی چمکتی نئے گھن کی اشرفیان۔ بھلا میرے دل سے کب نکلتی تھین۔ اوسوقت صندوقچہ وندوقچہ تو میرے پاس تھا۔ پلنگ کے پائے کے نیچے دبا دین۔

---

مرزا رسوا صاحب۔ میرے نزدیک ہر عورت کی زندگی مین ایک وہ زمانہ آتا ہے جب وہ چاہتی ہے کہ اوسے کوئی چاہے۔" یہ نہ سمجھے گا کہ یہ خواہش چند روزہ ہوتی ہے۔ بلکہ عنفوان شباب سے اسکی ابتدا ہوتی ہے اور سن کے ساتھ ہی اسکا نشو و نما ہوتا رہتا ہے۔ جس قدر سن بڑھتا ہے اوسی قدر یہ خواہش بڑھتی رہتی ہے۔